R. No. 2186/57 Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date
1-8-15-22

Phone—29
Annual Rs. 4/-
Per Copy-12 P

جلد ۲۶ - شمارہ ۲۲ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ رجون ۱۹۶۷ء

اداریہ

ہم اردو کو سرکاری زبان کیوں تسلیم کرانا چاہتے ہیں؟

آج کل لکھنؤ کے اخبار نیشنل ہیرالڈ میں ایک بحث چھڑی ہوئی ہے۔ اتر پردیش کی حکومت سال بھر کے اندر سارا سرکاری کام ہندی میں کرنا چاہتی ہے۔ اس پر آنند نراین ملا نے ان دشواریوں کی طرف اشارہ کیا جو اردو جاننے والوں کو پیش آرہی ہیں اور تمام کام ہندی میں ہو جانے کے بعد ان دشواریوں میں اضافے کا اندیشہ ظاہر کیا۔ مقصد انگریزی کی وکالت نہیں تھا، بلکہ اردو جاننے والوں کی دقتوں کو بیان کرنا تھا۔ انھوں نے اس پر بھی زور دیا کہ اردو جاننے والوں کے جائز مطالبات کی طرف حکومت نے ابھی تک توجہ نہیں کی ہے اور اس وجہ سے اردو والے اپنی جد و جہد جاری رکھنے پر مجبور ہیں۔ اس پر شری یش پال جو ہندی کے بڑے لکھک ہیں مگر اپنی اردو دشمنی کی وجہ سے بھی مشہور ہیں، خفا ہو گئے۔ انھوں نے پہلے تو اپنی وہی پرانی اور فرسودہ بات دہرائی کہ اردو ہندی میں کوئی فرق نہیں۔ پھر یہ کہا کہ چند لوگوں کی خاطر سارے سرکاری افسران کو اردو پڑھنے پر کیوں مجبور کیا جائے اور اس کے بعد بعض نوجوانوں کے نعرے اردو یا موت کی طرف خاص طور سے اشارہ کیا تاکہ ہندی والے اردو دوستوں کے "خطرناک ارادوں" سے واقف ہو جائیں اور بروقت ان "خطرناک ارادوں" کا توڑ کر سکیں۔ یش پال جی تو اس پر کبھی اصرار نہیں کرتے کہ ہندی ادب کے ساتھ اردو ادب بھی پڑھایا جائے۔ نہ انھوں نے کسی یونیورسٹی یا تعلیمی ادارے کو توجہ دلائی ہے کہ تلسی، میرا اور سور کے ساتھ میر و غالب کیوں نہیں پڑھائے جاتے مگر جب اردو دوستوں کے مطالبات اردو کو اس کا جائز حق دلانے کے لیے زور پکڑتے ہیں تو وہ اپنے خاص انداز میں اس قسم کے چٹ پٹے فقرے ضرور دہرا دیتے ہیں۔ اب یش پال کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی ان دشواریوں کا تذکرہ کرنے لگے ہیں جو اردو کو سرکاری زبان مان لینے سے اٹھ کھڑی ہوں گی۔ اس لیے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ چند حقائق کو پھر دہرا دیں۔ یش پال جی کو قائل کرنا مشکل ہے کیوں کہ وہ بہت ضدی آدمی ہیں اور اپنی بات پر اڑے رہتے ہیں، مگر ہندی کے ان پریمیوں سے جنھوں نے ابھی تک ذہن نہیں چھوڑا ہے انہیں ضرور کچھ عرض کرنا ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ جو بچے ابتدائی تعلیم اپنی مادری زبان اردو میں حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے راستے میں بڑی دشواریاں ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ اتر پردیش [illegible] لاکھ آبادی کی مادری زبان اردو ہے ڈیڑھ دو لاکھ سے زیادہ بچے اردو کے ذریعے سے ابتدائی تعلیم حاصل نہیں کر پاتے اور ان میں بھی زیادہ بچے وہ ہیں جو دینی تعلیمی مکتبوں میں تعلیم پا رہے ہیں۔ اردو دوست شور مچاتے ہیں، دستور کی ہدایت ہے، لسانی اقلیتوں کا کمشنر بار بار کہتا ہے، مگر کوئی نہیں سنتا۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ تعلیمی اصولوں کے مطابق نہ صرف ابتدائی بلکہ ثانوی تعلیم بھی مادری زبان کے ذریعہ سے ہونا چاہیے، اور مادری زبان کیا ہے اس کا فیصلہ شری یش پال یا شری سمپورنانند وغیرہ نہیں کریں گے بلکہ بچے کے والدین یا سرپرست ہی کر سکتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود اتر پردیش میں ایک بھی ثانوی اسکول ایسا نہیں جس میں اردو ذریعہ تعلیم ہو۔ اب سہ لسانی فارمولے کا تجربہ یاد کیجیے۔ مقصد یہ تھا کہ ہر بچہ تیسری زبان اپنی خوشی سے پڑھ سکے۔ مگر ہو یہ رہا ہے کہ ایک قلیل تعداد کو چھوڑ کر زیادہ تر بچے اس پر مجبور کیے جا رہے ہیں کہ سنسکرت پڑھیں، مادری زبان یعنی اردو تیسری زبان کے طور پر بھی نہیں پڑھ سکتے۔ اس صورت حال پر اگر شری یش پال نے کبھی احتجاج کیا ہوتا تو ہم بھی مانتے کہ انھیں اردو سے ہمدردی ہے یا وہ قومی نقطۂ نظر سے سوچتے ہیں۔ مگر انھیں ان باتوں کی کیا پروا ہے۔ اس کے علاوہ حکومت ہند نے یہ ہدایت کی ہے اور اتر پردیش کی حکومت نے اس ہدایت کو تسلیم کیا ہے کہ ان نو ضلعوں میں جہاں اردو داں آبادی خاصی بڑی تعداد میں ہے حکومت کے قوانین اور اعلانات اردو میں بھی ہوں، مگر کیا ایسا ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عدالتوں میں درخواستیں اردو میں لی جائیں گی، مگر کتنی درخواستیں لی جاتی ہیں اور کتنے کاغذات کی نقلیں اردو میں مل سکتی ہیں۔ اسی طرح چناؤ کی فہرستیں شائع کرنے کا سوال ہے۔ کانگریس اور دوسری سیاسی جماعتیں اگر اردو کو اہمیت نہیں دیتیں تو پھر چناؤ کے وقت

لاکھوں کی تعداد میں ہو۔ سرکار مشتبہ اعداد کیوں شائع کرتی ہے۔ غرض یہ سب دشواریاں اردو والوں کو لاحق ہیں۔ دستور میں اس کا انتظام ہے کہ اگر کسی علاقے میں آبادی کا ایک معقول حصہ کوئی دوسری زبان بولتا ہے تو وہ زبان سرکاری طور پر تسلیم کی جا سکتی ہے (دفعہ ۳۴۷)۔

ان دشواریوں کے ہوتے ہوئے اگر اردو دوست یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ قانونی طور پر اردو کی پوزیشن کا تحفظ کیا جائے اور دستور میں دی ہوئی سہولت کے مطابق اردو کو بھی سرکاری زبان تسلیم کیا جائے تاکہ اردو کی تعلیم اور اس کے چلن میں رکاوٹیں دور ہوں، تو اس میں کیا بے جا بات ہے۔ یہ دھاندلی ہے کہ اردو والوں کو انگریزی کا حامی کہا جائے یا ہندی کا مخالف۔ ہندی کو تو اردو والے کھلے دل سے تسلیم کر چکے ہیں۔ مگر جب وہ اپنی زبان کا تحفظ چاہتے ہیں اور دستور میں جو گنجائش ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو کسی محب وطن کو جو جمہوریت کی روح سے آشنا ہے اور اقلیتوں کی دلدہی کو جمہوریت کے فروغ کے لیے ضروری سمجھتا ہے، اس مطالبے کو ماننے میں پس و پیش نہ ہونا چاہیے۔ اردو والوں کو فقط سرکاری زبان سے کوئی عشق نہیں ہے، وہ اردو کو اس لیے سرکاری زبان تسلیم کرانا چاہتے ہیں کہ صرف اسی طرح اردو کی تعلیم اور چلن کے راستے میں رکاوٹیں دور ہو سکتی ہیں۔ اور دوسرے راستے سبھی آزمائے جا چکے اور ناکام ہو چکے جن کی گواہی لسانی اقلیتوں کا کمشنر بھی دے چکا۔ اگر اردو والے انگریزی کو ایک بین قومی زبان سمجھ کر پڑھنا چاہتے ہیں تو یہ اچھی بات ہے۔ ہندی یا ہر علاقے کی سرکاری زبان کو جاننا تو وہ بہر حال ضروری سمجھتے ہیں اور اس کا ہر موقع پر اعلان کر چکے ہیں۔ پھر اردو کو اس کا حق دینے میں پس و پیش، زیادتی اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟ زبانیں سب برابر ہوتی ہیں، کسی زبان کو دوسری زبان پر کوئی فوقیت نہیں ہوتی۔ مگر اردو والے ہندی سے برابری کا مطالبہ نہیں کرتے وہ ان علاقوں میں جہاں ہندی بولنے والوں کی اکثریت ہے ہندی کو سرکاری زبان تسلیم کرتے ہیں اور اسے سیکھ رہے ہیں مگر اردو کو بھی دوسری سرکاری زبان تسلیم کرانا وہ اپنے تجربات کی روشنی میں ضروری سمجھتے ہیں کیوں کہ اس کے بغیر ان کی زبان کی بقا اور ترقی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے یہ بات واضح ہے کہ جو لوگ اب بھی اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرنا چاہتے وہ درحقیقت اردو کی بقا اور ترقی نہیں چاہتے اور اس پر خوش ہیں کہ اردو کو نظر انداز کیا جا رہا ہے اور اس کے حقوق پامال کیے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اردو والے کسی حال میں اس پر خاموش نہیں رہ سکتے اور اپنی جد و جہد اس وقت تک جاری رکھنے پر مجبور ہیں جب تک وہ کامیاب نہ ہو جائیں۔

گونڈہ میں جگر میموریل ہائی اسکول قائم کرنے کا فیصلہ

گونڈہ۔ یہاں حاجی نصیر احمد کے مکان پر شہر کے ذمہ دار افراد کی ایک میٹنگ ادریس صاحب کی صدارت میں ہوئی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مرحوم جگر صاحب نے جو اردو زبان و ادب کی خدمت کی ہے اس کے پیش نظر ایک اسکول جگر میموریل ہائی اسکول کے نام سے قائم کیا جائے جس میں اردو کی تعلیم لازمی طور پر دی جائے۔ گونڈہ پر جگر صاحب کی یادگار قائم کرنے کا فرض خاص طور پر عائد ہوتا ہے کیوں کہ جگر صاحب مرحوم یہیں سپرد خاک ہوئے۔ یہ تحریک شروع کر دی گئی ہے اور شہر کے اہل خیر حضرات کافی امداد کرنے پر آمادہ ہیں۔ (قومی آواز)

پنجابی ادب کی ترقی کے لیے پنجابی یونیورسٹی کی سرگرمیاں

پٹیالہ۔ پنجابی یونیورسٹی نے پنجابی ادب کا مطالعہ کرنے کے لیے ایک شعبہ قائم کیا ہے جو پنجابی ادب کے بارے میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے نمونے کی مطبوعات تیار کرے گا۔ ان کتابوں میں پنجابی ادب کے بارے میں مختلف قسم کی معلومات مہیا کی جائیں گی۔ اس کے علاوہ اس میں پنجابی ادب کی تاریخ پر روشنی ڈالی جائے گی۔

اس کے بعد ہندی، بنگالی اور ہندوستان کی دوسری علاقائی زبانوں کے بارے میں بھی اس قسم کی کتابیں تیار کی جائیں گی۔

پنجابی یونیورسٹی نے پنجابی ادب کے اعلیٰ مطالعہ کے لیے ۵ لاکھ روپے کا جو پلان تیار کیا ہے یہ شعبہ اس کا ایک حصہ ہے۔

اس کے علاوہ اس یونیورسٹی نے سوشل سائنس کے بارے میں ایک انسائیکلوپیڈیا پنجابی میں تیار کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہوگا۔ (قومی آواز)

کتابوں کا بارھواں میلہ

وارسا۔ پولینڈ کے ثقافتی امور کے وزیر لوجان موشیکانے ۲۰ مئی کو کتابوں کے بارھویں بین الاقوامی میلے کا افتتاح کیا۔ اس میلے میں چھبیس مختلف ممالک کے دو ہزار تین سو ناشرین حصہ لے رہے ہیں جس میں یورپ اور افریقہ کے علاوہ ہندوستان اور اقوام متحدہ کے ناشرین قابل ذکر ہیں۔ مختلف خطوں سے تقریباً ساٹھ ہزار کتابیں میلے میں شریک کی گئی ہیں ان میں پچیس فی صدی سائنس اور دستکاری کی قابل قدر کتابیں ہیں۔ یہ میلہ ثقافتی اور باہمی تعاون و ربط کے نقطۂ نظر سے کامیاب ترین ثابت ہوا ہے اور مختلف ممالک اور قوموں کے نقطۂ نظر اور ذوق کو سمجھنے میں بڑی مدد دے رہا ہے۔ (افکار)

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date
1-8-15-22

Phone—29
Annual Rs. 4/-
Per Copy-12 P

جلد ۲۶ - شمارہ ۲۲

ایڈیٹر: آل احمد سرور

۸ جون ۱۹۶۷ء

اداریہ

ہم اردو کو سرکاری زبان کیوں تسلیم کرانا چاہتے ہیں؟

آج کل لکھنؤ کے اخبار نیشنل ہیرالڈ میں ایک بحث چھڑی ہوئی ہے۔ اتر پردیش کی حکومت سال بھر کے اندر سارا سرکاری کام ہندی میں کرنا چاہتی ہے۔ اس پر آنند نراین ملا نے ان دشواریوں کی طرف اشارہ کیا جو اردو جاننے والوں کو پیش آ رہی ہیں اور تمام کام ہندی میں ہو جانے کے بعد ان دشواریوں میں اضافے کا اندیشہ ظاہر کیا۔ مقصد انگریزی کی وکالت نہیں تھا، بلکہ اردو جاننے والوں کی دقتوں کو بیان کرنا تھا۔ انھوں نے اس پر بھی زور دیا کہ اردو جاننے والوں کے جائز مطالبات کی طرف حکومت نے ابھی تک توجہ نہیں کی ہے اور اس وجہ سے اردو والے اپنی جد و جہد جاری رکھنے پر مجبور ہیں۔ اس پر شری یش پال جو ہندی کے بڑے لیکھک ہیں مگر اپنی اردو دشمنی کی وجہ سے بھی مشہور ہیں، خفا ہو گئے۔ انھوں نے پہلے تو اپنی وہی پرانی اور فرسودہ بات دہرائی کہ اردو ہندی میں کوئی فرق نہیں۔ پھر یہ کہا کہ چند لوگوں کی خاطر سارے سرکاری افسران کو اردو پڑھنے پر کیوں مجبور کیا جائے اور اس کے بعد بعض نوجوانوں کے نعرے "اردو یا موت" کی طرف خاص طور سے اشارہ کیا تاکہ ہندی والے اردو دوستوں کے "خطرناک ارادوں" سے واقف ہو جائیں اور بروقت ان "خطرناک ارادوں" کا توڑ کر سکیں۔ یش پال جی تو اس پر کبھی اصرار نہیں کرتے کہ ہندی ادب کے ساتھ اردو ادب بھی پڑھایا جائے۔ نہ انھوں نے کسی یونیورسٹی یا تعلیمی ادارے کو توجہ دلائی ہے کہ تلسی، میرا اور سور کے ساتھ میر و غالب کیوں نہیں پڑھائے جاتے مگر جب اردو دوستوں کے مطالبات اردو کو اس کا جائز حق دلانے کے لیے زور پکڑتے ہیں تو وہ اپنے خاص انداز میں اس قسم کے پٹے پٹائے نعرے ضرور دہرا دیتے ہیں۔ اب یش پال کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی ان دشواریوں کا تذکرہ کرنے لگے ہیں جو اردو کو سرکاری زبان مان لینے سے اٹھ کھڑی ہوں گی۔ اس لیے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ چند حقائق کو پھر دہرا دیں۔ یش پال جی کو قائل کرنا مشکل ہے کیوں کہ وہ بہت ضدی آدمی ہیں اور اپنی بات پر اڑے رہتے ہیں، مگر ہندی کے ان پریمیوں سے جنھوں نے انصاف کا دامن نہیں چھوڑا ہے انہیں ضرور کچھ عرض کرنا ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ جو بچے ابتدائی تعلیم اپنی مادری زبان اردو میں حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے راستے میں بڑی دشواریاں ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ اتر پردیش [illegible] لاکھ آبادی کی مادری زبان اردو ہے ڈیڑھ دو لاکھ سے زیادہ بچے اردو کے ذریعے سے ابتدائی تعلیم حاصل نہیں کر پاتے اور ان میں بھی زیادہ بچے وہ ہیں جو دینی تعلیمی اسکولوں میں تعلیم پا رہے ہیں۔ اردو دوست شور مچاتے ہیں، دستور کی دہائی دیتے ہیں، لسانی اقلیتوں کا کمشنر بار بار کہتا ہے، مگر کوئی نہیں سنتا۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ تعلیمی اصولوں کے مطابق نہ صرف ابتدائی بلکہ ثانوی تعلیم بھی مادری زبان کے ذریعے سے ہونا چاہیے اور مادری زبان کیا ہے اس کا فیصلہ شری یش پال یا شری سمپورنانند وغیرہ نہیں کریں گے بلکہ بچے کے والدین یا سرپرست ہی کر سکتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود اتر پردیش میں ایک بھی ثانوی اسکول ایسا نہیں جس میں اردو ذریعہ تعلیم ہو۔ اب سہ لسانی فارمولے کا تجربہ یاد کیجیے۔ مقصد یہ تھا کہ ہر بچہ تیسری زبان اپنی خوشی سے پڑھ سکے۔ مگر ہو یہ رہا ہے کہ ایک قلیل تعداد کو چھوڑ کر زیادہ تر بچے اس پر مجبور کیے جا رہے ہیں کہ سنسکرت پڑھیں، مادری زبان یعنی اردو تیسری زبان کے طور پر بھی نہیں پڑھ سکتے۔ اس صورت حال پر اگر شری یش پال نے کبھی احتجاج کیا ہوتا تو ہم بھی مانتے کہ انھیں اردو سے ہمدردی ہے یا وہ قومی نقطۂ نظر سے سوچتے ہیں۔ مگر انھیں ان باتوں کی کیا پروا ہے۔ اس کے علاوہ حکومت ہند نے یہ ہدایت کی ہے اور اتر پردیش کی حکومت نے اس ہدایت کو تسلیم کیا ہے کہ ان ضلعوں میں جہاں اردو داں آبادی خاصی بڑی تعداد میں ہے حکومت کے قوانین اور اعلانات اردو میں بھی ہوں، مگر کیا ایسا ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عدالتوں میں درخواستیں اردو میں لی جائیں گی، مگر کتنی درخواستیں لی جاتی ہیں اور کتنے کاغذات کی نقلیں اردو میں مل سکتی ہیں۔ اسی طرح چناؤ کی فہرستیں شائع کرنے کا سوال ہے۔ کانگریس اور دوسری سیاسی جماعتیں اگر اردو کو اہمیت نہیں دیتیں تو پھر چناؤ کے وقت

لاکھوں کی تعداد میں پوسٹر اور اشتہار کیوں شائع کر رہی ہے۔ غرض یہ سب دشواریاں اردو والوں کو لاحق ہیں۔ دستور میں اس کا انتظام ہے کہ اگر کسی علاقے میں آبادی کا ایک معقول حصہ کوئی دوسری زبان بولتا ہے تو وہ زبان سرکاری طور پر تسلیم کی جا سکتی ہے (دفعہ ۳۴۷)۔

پھر ان دشواریوں کے ہوتے ہوئے اگر اردو دوست یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ قانونی طور پر اردو کی پوزیشن کا تحفظ کیا جائے اور دستور میں دی ہوئی سہولت کے مطابق اردو کو بھی سرکاری زبان تسلیم کیا جائے تاکہ اردو کی تعلیم اور اس کے چلن میں رکاوٹیں دور ہوں تو اس میں کیا بے جا بات ہے۔ یہ دھاندلی ہے کہ اردو والوں کو انگریزی کا حامی کہا جائے یا ہندی کا مخالف۔ ہندی کو تو اردو والے کھلے دل سے تسلیم کر چکے ہیں۔ مگر جب وہ اپنی زبان کا تحفظ چاہتے ہیں اور دستور میں جو گنجائش ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو کسی محب وطن کو جو جمہوریت کی روح سے آشنا ہے اور اقلیتوں کی دلدہی کو جمہوریت کے فروغ کے لیے ضروری سمجھتا ہے، اس مطالبے کو ماننے میں پس و پیش نہ ہونا چاہیے۔ اردو والوں کو لفظ سرکاری زبان سے کوئی عشق نہیں ہے، وہ اردو کو اس لیے سرکاری زبان تسلیم کرانا چاہتے ہیں کہ صرف اسی طرح اردو کی تعلیم اور چلن کے راستے میں رکاوٹیں دور ہو سکتی ہیں۔ اور دوسرے راستے بھی آزمائے جا چکے اور ناکام ہو چکے جن کی گواہی لسانی اقلیتوں کا کمشنر بھی دے چکا۔ اگر اردو والے انگریزی کو ایک بین قومی زبان کہہ کر پڑھنا چاہتے ہیں تو یہ اچھی بات ہے۔ ہندی یا ہر علاقے کی سرکاری زبان کو جاننا تو وہ بہر حال ضروری سمجھتے ہیں اور اس کا ہر موقع پر اعلان کر چکے ہیں۔ پھر اردو کو اس کا حق دینے میں پس و پیش، زیادتی اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟ زبانیں سب برابر ہوتی ہیں، کسی زبان کو دوسری زبان پر کوئی فوقیت نہیں ہوتی۔ مگر اردو والے ہندی سے برابری کا مطالبہ نہیں کرتے وہ ان علاقوں میں جہاں ہندی بولنے والوں کی اکثریت ہے ہندی کو سرکاری زبان تسلیم کرتے ہیں اور اسے سیکھ رہے ہیں مگر اردو کو بھی دوسری سرکاری زبان تسلیم کرانا وہ اپنے تجربات کی روشنی میں ضروری سمجھتے ہیں کیوں کہ اس کے بغیر ان کی زبان کی بقا اور ترقی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے یہ بات واضح ہے کہ جو لوگ اب بھی اردو کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرنا چاہتے وہ در اصل اردو کی بقا اور ترقی نہیں چاہتے اور اس پر خوش ہیں کہ اردو کو نظر انداز کیا جا رہا ہے اور اس کے حقوق پامال کیے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اردو والے کسی حال میں اس پر خاموش نہیں رہ سکتے اور اپنی جد و جہد اس وقت تک جاری رکھنے پر مجبور ہیں جب تک وہ کامیاب نہ ہو جائیں۔

گونڈہ میں جگر میموریل ہائی اسکول قائم کرنے کا فیصلہ

گونڈہ۔ یہاں حاجی نصیر احمد کے مکان پر شہر کے ذمہ دار افراد کی ایک میٹنگ ادریس صاحب کی صدارت میں ہوئی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مرحوم جگر صاحب نے جو اردو زبان و ادب کی خدمت کی ہے اس کے پیش نظر ایک اسکول جگر میموریل ہائی اسکول کے نام سے قائم کیا جائے جس میں اردو کی تعلیم لازمی طور پر دی جائے۔ گونڈہ پر جگر صاحب کی یادگار قائم کرنے کا فرض خاص طور پر عائد ہوتا ہے کیوں کہ جگر صاحب مرحوم یہیں سپرد خاک ہوئے۔ یہ تحریک شروع کر دی گئی ہے اور شہر کے اہل خیر حضرات کافی امداد کرنے پر آمادہ ہیں۔ (قومی آواز)

پنجابی ادب کی ترقی کے لیے پنجابی یونیورسٹی کی سرگرمیاں

پٹیالہ۔ پنجابی یونیورسٹی نے پنجابی ادب کا مطالعہ کرنے کے لیے ایک شعبہ قائم کیا ہے جو پنجابی ادب کے بارے میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے نمونے کی مطبوعات تیار کرے گا۔ ان کتابوں میں پنجابی ادب کے بارے میں مختلف قسم کی معلومات مہیا کی جائیں گی۔ اس کے علاوہ اس میں پنجابی ادب کی تاریخ پر روشنی ڈالی جائے گی۔

اس کے بعد ہندی، بنگالی اور ہندوستان کی دوسری علاقائی زبانوں کے بارے میں بھی اس قسم کی کتابیں تیار کی جائیں گی۔

پنجابی یونیورسٹی نے پنجابی ادب کے اعلیٰ مطالعہ کے لیے ۵ لاکھ روپے کا جو پلان تیار کیا ہے یہ شعبہ اس کا ایک حصہ ہے۔

اس کے علاوہ اس یونیورسٹی نے سوشل کاموں کے بارے میں ایک انسائیکلوپیڈیا پنجابی میں تیار کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہوگا۔ (قومی آواز)

کتابوں کا بارھواں میلہ

وارسا۔ پولینڈ کے ثقافتی امور کے وزیر لوجان موٹیکا نے یہاں بھی کتابوں کے بارھویں بین الاقوامی میلے کا افتتاح کیا۔ اس میلے میں پچیس مختلف ممالک کے دو ہزار تین سو ناشرین حصہ لے رہے ہیں جس میں یورپ اور افریقہ کے علاوہ ہندوستان اور اقوام متحدہ کے ناشرین قابل ذکر ہیں۔ مختلف خطوں سے تقریباً ساٹھ ہزار کتابیں میلے میں شریک کی گئی ہیں ان میں پچیس فی صدی سائنس اور دستکاری کی فنی قدر کتابیں ہیں۔ یہ میلہ ثقافتی اور باہمی تعاون و ربط کے نقطۂ نظر سے کامیاب ترین ثابت ہوا ہے اور مختلف ممالک اور قوموں کے نقطۂ نظر اور ذوق کو سمجھنے میں بڑی مدد دے رہا ہے۔ (نوکار)

ہماری زبان

سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔

غزلیں

فضل احمد کریم فضلی

کوئی پوشاک ہو ظالم پہ بھلی لگتی ہے — جامہ زیبی ہے قبائے قدِ موزونِ غزل
کہنے والے کو جو کہنے کا سلیقہ آ جائے — کون مضمون ہے وہ جو نہیں مضمونِ غزل
بے مزہ نظم وہ ہے جس میں نہ ہو حسنِ ادا — اور اگر حسنِ ادا ہے تو ہے موزونِ غزل
یہ نکھار اور یہ انداز کہاں سے آتا — یہ ادب ہو کہ زباں دونوں ہیں ممنونِ غزل
بے ادب ساز ہیں ساز ادب بھی ہے یہی — کیوں لگے زلف عجب شے ہے یہ قانونِ غزل
تازگی ہے نہ لطافت نہ صداقت نہ خلوص — یہ غزل تو نہیں لے دوست یہ توہینِ غزل
وہ جگر خون جگر جس نے غزل کو بخشا — اس پہ مفتوں تھی غزل اور وہ مفتونِ غزل
بن گیا وہ ہمہ رشتہ ہمہ نغمہ فضلؔ — جس سے مس ہو گیا لعلِ لبِ میگونِ غزل

رشیدہ قوی

کوئی نغمہ خوشی ہو، نہ الم کا اب ترانہ
کوئی گیت اب نیا ہو، روشِ کہن بدل کے
نہ یقیں کی روشنی ہو، تو گماں ہے نورِ منزل
یہ ہیں صبح کے اجالے کہ ہیں شام کے دھندلکے
کہیں آرزو کے میلے، کہیں کشتِ زارِ ارماں
کہاں جائے حسرتِ دل بھری بزم سے نکل کے
کہیں بام و در کی عشرت، شبِ حقیقت دو عالم
مرے جذبے کی قسمت، ابھی خواب ہی محل کے
جو بدل دیا ہے مالی نے نظامِ صحنِ گلشن
تو ہے سیرِ باغ ممکن، سرِ خارِ دشت چل کے
طرب آشنا تھی جب تک تو ضعیف تر تھی ہستی
ہوئی زندگی توانا، غمِ دو جہاں میں پل کے

واحد پریمی

ستم گروں کو ستمگر ہی تو کہا میں نے — ذرا بتائیے پھر کیا ہے کیا خطا میں نے
ہجومِ غم سے ملی ہے حیات تو مجھ کو — ہجومِ درد سے پایا ہے حوصلہ میں نے
وہ دن اگر تیرگی نے گھیرا ہے — چراغ خوں سے جلائے ہیں جا بجا میں نے
لبوں پہ ذکرِ خدا دل میں یادِ بت زاہد — بہت سے دیکھے ہیں تجھ جیسے پارسا میں نے
یہ میرے قلبِ منور کا فیض ہے واحدؔ — کہ ظلمتوں میں بھی پائی ہے اک ضیا میں نے

اوجِ جھنگی

ہر دور میں کام آئے کلام آتے رہیں گے — ارباب وفا تیرِ ستم کھاتے رہیں گے
اس جلوہ گہِ ناز کے ذروں کی ضیا سے — گردوں کے ستارے بھی چمک پاتے رہیں گے
تسکین گہِ نامہ ہے بے مژدۂ عشرت — یہ کلفت و آلام کے دن جاتے رہیں گے
مائل بہ جفا لاکھ رہیں اہلِ جہاں وہ لیکن
پیغامِ وفا ہم انہیں پہنچاتے رہیں گے

شاعر

حسن شبیر

میں تو مسکراتا ہوا ایک پیڑ ہوں
جو صدیوں سے تمہارے رخسار کو چوم رہا ہے
تمہارے رخسار کو چوم رہا ہے
اور تھکتا نہیں ہے
میرے رخسار پہ تمہارے ہی رخسار کے یہ گیت ہیں
——— یادگار ہیں

جو تھکتے نہیں ہیں
جیسے ہی خاموش ہو جائیں
میری ندی بہتی رہتی ہے
دریا میں طوفان اٹھتے ہیں
چھوٹے چھوٹے اور بڑے بڑے
اور دھرتی کو ہلا دیتے ہیں
میرے ہاتھ لیکن تھکتے نہیں
میں مسکراتا رہتا ہوں
پھول کھلتے رہتے ہیں
باغ جلتے رہتے ہیں
روشنی ہو کہ میری آنکھوں میں ایک درد کا دیا جل رہا ہے
جو کبھی کبھی میری آنکھوں میں بھی روشنی کا چراغ گل کر دیتا ہے
دیکھو نا
تمہاری آنکھوں میں تمہاری ہی آنکھوں کے پھول کھلے ہیں
شوخ ہرن کی طرح تم مجھے کیوں دیکھ رہی ہو؟

خط

رحمٰن جامی

میں نے اک خط جو تم کو لکھا تھا
ایک مدت کے بعد گھوم کے وہ
آج مجھ تک پلٹ کے آیا ہے
کتنی مہریں لگی ہیں اس خط پر
کتنے در کتنے شہر گھوما ہے
جانے کس کس کے ہاتھ میں جا کر
آج ہاتھوں میں میرے آیا ہے
میں بھی اس طرح پڑھ رہا ہوں اسے
جیسے اک اجنبی کا خط ہو یہ
ایک اک لفظ ایک اک جملہ!
جیسے میرا نہیں پرایا ہے!
آج مجھ تک پلٹ کے آیا ہے

صفحہ ۴ سے آگے

اپنے رسالہ "تذکیر و تانیث" میں منیر شکوہ آبادی کے شعر کے پیش نظر "لغت" کو صرف مذکر لکھ کر چھوڑ دیتے ہیں اور معنی کے اعتبار سے اس کی تذکیر و تانیث میں جو تبدیلی ہوتی ہے اس کی تفصیل نہیں دیتے تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ جلیل سے بھی لغزش ہوئی ہے۔ امیر اللغات کے دیباچے کی عبارت "اردو کے ایک جامع لغت کی فرمائش کی" یا امیر اللغات ہی کی یہ عبارت "یہ لغت فائدہ پہنچائے گا... بکار آمد ہوگا" نیز "بھاکا اور سنسکرت کا کوئی لغت اردو میں نہیں ہے" یا ان کے قطعہ "منیر کا لغت ہے کان اردو" سے یہ تو صاف ظاہر ہے کہ امیر مینائی ڈکشنری کے مفہوم میں بھی لغت کے لفظ کو مذکر استعمال کرتے ہیں لیکن کیوں کہ امیر اللغات کو امیر مینائی پورا نہ کر سکے جس سے یہ پتہ چلتا کہ ان کے سامنے "لغت" کو علی الاطلاق مذکر سمجھنے کی کیا سند یں تھیں اس لیے اس پر کوئی کلام کرنا نامناسب معلوم ہوتا ہے تاہم خیال یہ ہوتا ہے کہ شاید ان میں بھی منیر شکوہ آبادی کے شعر جیسے اشعار رہے ہوں گے اور غلط فہمی کا باعث بنے ہوں گے۔ مولوی عبدالحلیم شرر اور ریاض خیرآبادی جو لغت کو فرہنگ کے معنی میں مذکر لکھتے ہیں ان کے بارے میں بھی اسی طرح کی بات جیسی امیر و جلیل کے بارے میں اوپر کہی گئی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال ہمیں یہ ماننے میں تامل ہے کہ "لغت" بمعنی فرہنگ کی تذکیر و تانیث دہلی و لکھنؤ کا ایک اختلافی مسئلہ ہے اس لیے اس کا استعمال دونوں طرح درست سمجھنا چاہیے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس معنی میں لغت کو مذکر استعمال کرنا ایسی لغزش ہے جو بعض اساتذہ سخن سے غور و فکر میں کمی کی وجہ سے سرزد ہوئی اور ان کے پیرووں نے بعد میں اس غلطی کو برقرار رکھا۔ اگرچہ جیسا کہ جناب نجم الحسن نجم نے اشرف اللغات مولفہ اشرف لکھنوی کے دیباچے سے اقتباس دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غلطی لکھنؤ میں بھی عام ہے۔

اوپر کی سطور میں جو کچھ عرض کیا گیا اس کا ماحصل یہ ہے کہ مولوی عبدالحق مرحوم نے ڈکشنری کے معنی میں لغت کو جو مونث استعمال کیا ہے وہی صحیح ہے نیز ادارہ "ہماری زبان" کا یہ نوٹ کہ "لغت لفظ کے معنی میں مذکر اور ڈکشنری کے معنی میں مونث ہے" اردو زبان کے قواعد تذکیر و تانیث کے عین مطابق و صحیح ہے۔ اب اگر کوئی صاحب یہ دعوی کرتے ہیں کہ "لغت" ہر معنی میں مذکر ہے تو صرف اتنا ہی کافی نہ ہوگا کہ مستند شعرا کے اشعار پیش کر دیں یا مستند اردو نثر نگاروں کی کوئی عبارت دے دیں بلکہ یہ بتانا بھی ان کے ذمہ ہوگا کہ یہاں "لغت" کا استعمال لفظ کے معنی میں نہیں بلکہ ڈکشنری کے معنی میں ہوا ہے نیز اس مسلک کو اردو زبان کے قواعد تذکیر و تانیث کے مطابق بھی ثابت کرنا پڑے گا اور اگر اصولوں سے استثنا کا دعوی کرتے ہیں تو استثنا کی دلیل یا اس کا قرینہ بھی پیش کرنا ہوگا۔ آخر میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ڈاکٹر اعجاز حسین سابق پروفیسر اردو الہ آباد یونیورسٹی نے اپنی نئی کتاب "میری دنیا" میں لکھا ہے کہ وہ "لغت کو مونث بولتے تھے (ڈکشنری کے معنی میں) ان کے ایک ظریف طبع شاگرد نے انھیں اردو کی ایک لغت کھول کر دکھائی کہ یہ لفظ مذکر ہے چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی غلطی سے رجوع کر لیا" اس واقعہ سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ فرہنگ نگار کی لاپروائی یا دوسروں پر غلط اعتماد کی وجہ سے فرہنگ میں جب کوئی غلطی راہ پا جاتی ہے تو اس کے نتائج کتنے دور رس اور ناپائدار ہوتے ہیں۔

مراسلات

ہمہ خانہ آفتاب است

"انجمن ترقی اردو بمبئی کی جانب سے حضرت روش صدیقی کے اعزاز میں ایک مجلس شعرانہ منعقد ہوئی۔

جنرل سکریٹری سید شہاب الدین دسنوی صاحب نے ابتدائی تقریر میں مجلس شعرانہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ انجمن کی طرف سے پہلے ایسی کئی ایک مجالس شعرانہ منعقد ہو چکی ہیں جن میں بہ یک وقت ایک شاعر کو اس کا موقع دیا گیا کہ وہ اپنے حالات زندگی اور نظریات کے ساتھ اپنے کلام سے سامعین کو روشناس کرائے۔

اس کے بعد روش صدیقی صاحب نے اپنی ہر نظم و غزل سے پہلے اس کا پس منظر بیان کیا اور اپنی تخلیق سنائی اس طرح روش صاحب کے ذاتی نظریاتی اور قومی حالات تواتر سے سامنے آتے رہے اور شعر و ادب کی اس فضا کا رنگ نکھرتا رہا۔ یہ دلچسپ صحبت وقت مقررہ پر شروع ہو کر تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہی"

احتساب: "انجمن کی طرف سے مجلس منعقد ہوئی" میں فعل لازم "واقع" کا اطلاق ہوتا۔ منعقد کی گئی کے بدلے میں خود بخود انعقاد کا ہونا کوتاہ نگاہی کی علامت ہے۔ سید شہاب الدین صاحب دسنوی کو دسنوی تحریر کرنا پنجاب کے سکھوں کی پیروی ہے جہاں دربار صاحب، ننکانہ صاحب، پنجہ صاحب ایسے مرکبات پائے جاتے ہیں۔ کسی بے جان چیز کو صاحب کا لاحقہ عطا کرنا بمبئی کی انجمن ترقی اردو کو مبارک! صاحب تو شہاب الدین سے متعلق ہے اسے دسنوی سے متعلق کرنا "در گفتن نمی آید" والی بات ہے۔ ابتدائی تقریر کے بعد کسی انتہائی یا وسطی تقریر کا کوئی حوالہ مضمون میں موجود نہیں ہے بنا بریں "ابتدائیہ" کو ابتدائی تقریر لکھ دینا اچھے ذوق کی علامت نہیں ہے۔ شعری نشست کے عوض میں مجلس شعرانہ کا اجتہاد بھی حشو کی زد میں آتا ہے نجانے کیوں بمبئی کے ارباب ترقی "فاختہ اڑانے کی کوشش میں رہتے ہیں"!

کئی ایک مجلس شعرانہ میں کسی ایک کو بحیثیت مفرد لا کر مجلس شعرانہ کو بصورت واحد رکھنا ستم ظریفی سے سوا کچھ نہیں ہو سکتا ہے کہ صاحب مضمون کو مجالس میں جمع کا کوئی زاویہ نظر آتا ہو۔ منعقد ہو چکی ہیں میں جہاں از خود انعقاد کا سقم ہے وہاں مجلس کی وحدت پر فعل بصورت جمع لا کر اردو زبان سے استہزا کیا گیا ہے۔ بہ یک وقت کا استعمال کچھ اس انداز میں کیا گیا ہے کہ کچھ ایسا شخص جو اہل زبان کا مونہہ چڑاتا ہے۔ اس محل استعمال سے استفادہ نہیں کر سکتا نظریات کے مواد میں اپنے مہمان مجلس کو معجون مرکب بنا کر پیش کرنے کی زحمت اٹھائی گئی ہے۔ مزید بریں یہ ہے کہ اپنے کلام سے سامعین کو روشناس کرانے میں کلام اور سامعین کی نسبت تو سمجھ میں آسکتی ہے لیکن روشناسی کا عجیب و غریب مرحلہ مطالب در بطن شاعر ہے۔ روش صدیقی صاحب میں پیروی تکنیک کا یہ جو ہے کہ صفت کے بعد صاحب رکھا گیا ہے درحالیکہ روش صاحب صدیقی چاہیے تھا۔ ہر نظم و غزل میں نظم و غزل کے اجتماع پر ہر بطور سابقہ لا کر مفرد بنا کر [illegible] کا حاصل کی گئی ہے چنانچہ اسی کو رقی نے میں اس کو بطور اشارہ رکھا گیا ہے۔ مزید بریں اپنی تخلیق سنائی میں تخلیقات کی جگہ پر تخلیق بطور اسم واحد رہنے دیا گیا ہے۔ سنائی کا فعل ناقابل برداشت اس لیے ہے کہ بزم شعر سے متعلق ہے۔ ذاتی نظریاتی اور قومی حالات کا مرکب ع

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔

کے ذیل میں ہے اس کی تشریح وجہ تضیع اوقات ہوئی۔ بالانجام دو گھنٹوں کی جگہ پر دو گھنٹے لا کر مذاق سلیم کے ساتھ بدفعلی کی گئی ہے۔

تماشا یہ ہے کہ انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کے ترجمان ہماری زبان نے احتساب کے بغیر اس مکتوب کو زیور انطباع سے سجا دیا۔ اب اگر اردو کی ترقی کے یہی ضامن رہے تو کچھ ایسے بد زبانوں کے ہونٹوں پر کب تک نام پیارا رہے گا۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا ست
کار طفلاں تمام خواہد شد

(آغا خلش کاشمیری)

موج عظیم آبادی اور یگانہ چنگیزی

ہماری زبان مورخہ ۸ / اپریل ۱۹۷۷ء میں جناب شبیب علی حسین کا مضمون بہ عنوان "موج عظیم آبادی" نظر سے گذرا۔ موصوف نے بین السطور میں موج عظیم آبادی اور یگانہ چنگیزی کے تعلقات کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔ "مرزا واجد حسین یاس عظیم آبادی جو اب یگانہ لکھنوی کر کے مشہور .... موج عظیم آبادی کے پیر بھائی اور بہت کچھ موج مرحوم کے سدھارے ہوئے تھے۔"

پتہ نہیں "بہت کچھ سدھارے ہوئے" کا مفہوم شبیب صاحب کے ذہن میں کیا ہے۔ اگر اس سے یگانہ چنگیزی کی فکری و فنی تربیت مراد ہے تو موصوف کے پاس اس کے کیا دلائل ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ موج اور یگانہ دونوں شاد عظیم آبادی کے شاگردوں میں تھے اور دونوں کے تعلقات ایک دوسرے سے نہایت مخلصانہ تھے لیکن یگانہ کے ذہنی معاونوں کی فہرست میں مجھے کہیں موج عظیم آبادی کا نام نہیں نظر آیا۔ البتہ ایک جگہ خود یگانہ نے لکھنؤ میں اپنی شادی کے سلسلے میں موج کی وساطت کا ذکر ضرور کیا ہے۔ میں چونکہ یگانہ چنگیزی پر ایک توضیحی مقالہ لکھ رہا ہوں اس لیے میرے لیے یہ تحقیق لازمی ہے کہ موج عظیم آبادی کے ہاتھوں یگانہ کو سدھارنے کی یہ روایت کہاں تک درست ہے۔ میں ممنون ہوں گا اگر شبیب علی صاحب ہماری زبان کے کالموں میں یا میرے ذاتی پتے پر بذریعہ خط اپنے موقف کی تحقیقی وضاحت فرمائیں۔ پتہ:

عبدالرشید - ۱۲ ہوسپٹل روڈ - دانا پور کینٹ - ضلع پٹنہ

انجمن ترقی اردو پنجاب کا سرکلر

انجمن ترقی اردو ہند کی مجلس عاملہ نے رکنیت سازی کی تاریخ آخر جولائی تک بڑھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس کی اطلاع انجمن کے مرکزی دفتر نے ایک گشتی مراسلہ نمبر ۱۱۵ مجریہ ۱۲- مئی ۱۹۶۷ء کے ذریعہ ارسال کی ہے مرکز کے اس مراسلہ کی مکمل نقل درج ذیل ہے :-

بعض شاخوں کی درخواست پر انجمن ترقی اردو ہند کی مجلس عاملہ منعقدہ ۲ مئی ۱۹۶۷ء میں غور کیا گیا۔ مجلس نے موجودہ حالات کے پیش نظر انجمن کے عام انتخابات کی تاریخ میں مزید تین ماہ مئی، جون اور جولائی ۱۹۶۷ء تک توسیع کی ہے۔ تمام شاخوں سے درخواست ہے کہ اس مدت میں انجمن کے نئے قواعد کے مطابق ممبر سازی اور انتخابات کی کارروائی مکمل کریں۔ اور اس سلسلہ میں تفصیلی معلومات کی ضرورت ہو تو مرکزی دفتر سے رجوع فرمائیں۔

پروفیسر آل احمد سرور (جنرل سکریٹری)

امید ہے کہ اس میعاد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ ان تمام مقامات پر انجمن کی شاخیں قائم کرکے ان کے انتخابات بے مکمل کرنے کی جانب خصوصی توجہ مبذول فرمائیں گے جہاں ابھی شاخ قائم نہیں ہو سکی۔

براہ کرم اپنی سرگرمیوں سے ریاستی دفتر کو پوری طرح آگاہ رکھیں اور جس قسم کے تعاون کی ضرورت ہو طلب فرماتے رہیں نیز حسب ضرورت تفصیلی معلومات کے لیے رجوع فرمائیں۔

سرکلر ہذا کی رسید سے ضرور مطلع فرمائیں اور صوبائی دفتر کی جانب سے قبل ازیں جاری شدہ سرکلروں کو نگاہ میں رکھیں۔

۱۱۶۱- سیکٹر ۲۱ بی	مخلص بی۔ آر۔ تنویر
چنڈی گڑھ	جنرل سکریٹری

محکمۂ تعلقات عامہ حکومت راجستھان کی طرف سے اردو میں پریس نوٹ کا اجرا

انجمن ترقی اردو راجستھان گذشتہ کئی سال سے حکومت راجستھان سے خط و کتابت کر رہی تھی اور اس کا مطالبہ یہ تھا کہ اردو اخبارات کو پریس نوٹ اردو میں جاری کیے جائیں۔ حکومت راجستھان نے اس سلسلہ میں انجمن کے مطالبے کو تسلیم کرتے ہوئے اردو میں پریس نوٹ جاری کرنے کی بابت احکام صادر فرما دیے۔ ۴ نومبر ۱۹۶۶ء کو جے پور سے ایک پندرہ روزہ اخبار بنام "بشارت" جاری ہوا جو پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ یہ اخبار کے آٹھ صفحات پر مشتمل بشارت راجستھان کا واحد اردو جریدہ ہے چنانچہ توجہ دلانے پر اب اس کو اردو میں پریس نوٹ بھیجنا شروع کر دیا۔

(نامہ نگار)

نئے دور میں نیا خواب دیکھنا فطرت انسانی ہے

حیدرآباد میں "نئی شاعری" پر سمپوزیم

حیدرآباد۔ ۱۰ مئی کی شام اردو ہال (حمایت نگر) میں ادارہ مصنفین نو اور ادارہ "صبا" کے زیر اہتمام "نئی شاعری" کے موضوع پر ایک یادگار سمپوزیم منعقد ہوا جس کی صدارت ممتاز شاعر مخدوم محی الدین نے کی۔ اس سمپوزیم میں ادبی ٹرسٹ بک ڈپو (حیدرآباد) کے کل ہند مشاعرہ میں آئے ہوئے بیرونی شعرا علی سردار جعفری اور سکندر علی وجد نے بھی شرکت کی۔ مہمان شاعر علی سردار جعفری نے کہا کہ نئے دور میں نئے خواب دیکھنا فطرت انسانی ہے۔ لیکن ان تصورات کو ایک انسان اپنی صلاحیتوں سے شرمندۂ تعبیر کر سکتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ زندگی الجھنوں کے مقابلے سے نکھرتی ہے۔ ایک عربی کہاوت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ کانٹوں میں گھرے ہوئے پھول کو دیکھ کر لوگ ماتم کرتے ہیں در اصل ہمیں ماتم نہیں کرنا بلکہ خوش ہونا چاہیے کہ پھول کانٹوں میں بھی کھلتا ہے۔ اس تمہید کے بعد انھوں نے ۱۰-۱۵ سال کی اردو شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ نئے شاعروں میں دو قسم کے شاعر ملتے ہیں۔ ایک وہ شاعر جو ۲۵، ۳۰ سال سے شعر کہہ رہے ہیں لیکن اپنا مقام نہ بنا سکنے کی بنا پر بے تکا ہنگامہ کھڑا کر رہے ہیں دوسرے وہ لوگ ہیں جو بالکل نئے ہیں اور ان کے کلام اور امیجری میں تازگی ہے۔ سردار جعفری نے ایک مقالہ کا کچھ حصہ بھی پڑھ کر سنایا جو اسی موضوع پر تھا اور جو "گفتگو" کے دوسرے شمارے میں چھپ رہا ہے۔ یہ مقالہ "سر قلم" کا لکھا ہوا ہے جو سات ادیبوں کے ایک گروہ پر مشتمل ہے

اس موقع پر صفیہ اریب نے "نئی شاعری" کے عنوان سے ۱۹۴۷ء کے بعد کی اردو شاعری اور شعرا پر مبسوط انداز میں روشنی ڈالی۔ انھوں نے بعض جدید شعرا پر نئی شاعری کے نام سے مہمل گوئی کو فیشن بنانے کا الزام لگایا۔ انھوں نے کہا کہ حالات آج شاعروں سے اخلاقی جرأت کا مطالبہ کر رہے ہیں اور نئی نسل انتشار و مایوسی کا شکار ہے حالانکہ یہ انتشار و مایوسی مغربی تحریکات سے مستعار ہے۔ انھوں نے شاعروں کے موضوعات و لہجہ کی تبدیلی کو ضروری قرار دیا۔ صفیہ اریب نے بعض نمائندہ نئے شاعروں کی مہمل گوئی کے نمونے پیش کیے۔ ان نظموں کو رؤف خلش نے پڑھ کر سنایا جس پر اردو ہال سامعین کے قہقہوں سے گونج اٹھا۔

مخدوم محی الدین نے صدارتی تقریر میں کہا کہ نئی شاعری کو ۔۔۔ نہیں کیا جا سکتا۔ نئی شاعری اپنے اصطلاحی معنوں میں پچھلی شاعری سے قدرے مختلف ہے۔ اس کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اس پر سخت تنقید بھی ہونی چاہیے طرز بیان، زبان اور امیجری میں جو تبدیلیاں کی جا رہی ہیں یہ پڑھنے والوں کا کام ہے کہ وہ اس میں معنی تلاش کریں۔ آج کل رسالوں میں اور مختلف ادبی انجمنوں کی جانب سے جو مباحثے اور باتیں اس موضوع پر ہو رہی ہیں ان میں ایک کمی ہمیشہ محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نئی شاعری کے جو

اردو کے سوال پر اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے سکریٹری کا استعفا

لکھنؤ۔ یو۔پی اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے سکریٹری جناب امیر حیدر نے کمیونسٹ پارٹی (مارکسی لینن) سے استعفیٰ دیتے ہوئے اپنے وضاحتی بیان میں کہا ہے کہ اردو کے ساتھ کانگریسی دور حکومت میں جو ظلم ہوا ہے آج بھی اسی طرح کی سازش کا سلسلہ جاری ہے۔ حکومت میں شامل ترقی پسند پارٹیوں کے نمائندے جن سنگھ کی اکثریت سے مرعوب ہو چکے ہیں اور انھوں نے رجعت پسند اکثریتی گروپ کے آگے ہتھیار ڈال دیے ہیں اگر ایسا ہی ہے تو پھر نئی حکومت کو رجعت پسند کہنا چاہیے۔ (سیاست جدید)

سنگھ بھوم محکمۂ تعلیم کی اردو دشمنی

چکردھرپور۔ جناب باسط عظیم آبادی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو چکردھرپور نے اطلاع دی ہے کہ گذشتہ دسمبر میں محکمۂ تعلیم نے مقامی میونسپل اسکولوں کے لیے آٹھ عارضی پوسٹوں کی منظوری دی تھی۔ انجمن کے ایک وفد کے ملاقات پر چیرمین نے ایک پوسٹ دندہ شاہی لوور پرائمری اسکول کو دی اور اسے مستقل کرا دینے کا یقین دلایا۔ بقیہ سات پوسٹیں مقامی ہندی اسکولوں کو دی گئیں۔ جنوری میں جناب سمیع احمد کو میونسپلٹی نے اردو اسکول کے لیے معلم بحال کیا لیکن ماہ مارچ سے ان کی تنخواہ روک دی گئی جبکہ دیگر سات پوسٹوں پر بحال ہندی اسکول کے ماسٹروں کو تنخواہیں ہنوز مل رہی ہیں۔ اسکول مذکور کے سکریٹری نے تمام ذمہ داروں کو درخواستیں دیں، خود ملے لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ اسکول میں تالابندی کی کیفیت پیدا ہو چکی ہے۔ اگر محکمۂ تعلیم نے فوری قدم نہ اٹھایا تو خدشہ ہے کہ اسکول بند ہو جائے گا۔ اس اسکول میں اس وقت ۷۰ بچے اور بچیاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں لیکن صرف ایک معلم بحال کیا گیا وہ بھی صرف دو ماہ کے لیے

اردو داں ہیڈ ماسٹر کے تبادلہ پر

مدرسۂ عالیہ کلکتہ کے طلبہ کا احتجاج

کلکتہ۔ مدرسۂ عالیہ کے طلباء نے اردو داں ہیڈ ماسٹر کے تبادلہ کے خلاف کل زبردست احتجاج کرتے ہوئے اس بات کا مطالبہ کیا ہے کہ ہیڈ ماسٹر جو بھی رہے اس کا اردو داں ہونا ضروری ہے۔ کلاس شروع ہونے پر کچھ طلبہ باہر نکل آئے اور مدرسہ کے دروازے پر پوسٹر لگاتے ہوئے کہا کہ ہم کسی طرح بھی اردو داں ہیڈ ماسٹر کے تبادلہ کو برداشت نہیں کریں گے۔

یہ سنا گیا ہے کہ موجودہ ہیڈ ماسٹر جو اردو داں ہیں ان کا یہاں سے باہر تبادلہ کیا جا رہا ہے اور ان کی جگہ غیر اردو داں ہیڈ ماسٹر کو لایا جا رہا ہے اور لڑکے ان کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں۔

ان کا یہ کہنا ہے کہ کلکتہ مدرسہ میں ہمیشہ اردو داں ہیڈ ماسٹر رہے ہیں۔ اچانک یہاں سے انھیں ہٹا کر ان کی جگہ غیر اردو داں ہیڈ ماسٹر کو کیوں لایا جا رہا ہے۔

یہ بھی سنا گیا ہے کہ اگر اس سلسلہ میں فوراً ہی کارروائی نہ کی جائے گی تو لڑکے اس کے خلاف تحریک شروع کر دیں گے۔

یہ بھی اطلاع ہے کہ انھوں نے انجمن ترقی اردو (ہند) میں بھی اس کی شکایت پہنچائی ہے اور انجمن کے ذمہ دار اس سلسلہ میں محکمۂ تعلیم سے رابطہ قائم کریں گے۔ (آبشار کلکتہ)

ایک لاکھ اردو دوستوں کو ممبر بنائیے

پٹنہ۔ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے دفتر کی اطلاع ہے کہ بہار کے گوشے گوشے میں ممبر سازی کی مہم تیزی سے چل رہی ہے۔ مظفر پور، چمپارن، سارن، دربھنگہ، رانچی، جاپاناسہ، جاگلپور، پورنیہ، سنتھال پرگنہ، سہرسہ، گیا، آرہ، ہزاری باغ وغیرہ ضلعوں کے لیے اب تک پچاس ہزار رسیدیں دفتر سے جاری کی جا چکی ہیں۔ پندرہ ہزار سے زائد رسیدوں کے مطالبے دفتر کو مل چکے ہیں جن کی تکمیل کی جا رہی ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ بہار بھر میں ایک لاکھ ممبر سازی کا نشانہ پورا ہو جائے گا۔ ممبر سازی کی آخری تاریخ ۱۵ رجون ہے۔ اس لیے اگر آپ نے اب تک رسیدیں نہیں منگائی ہیں تو آج ہی منگائیے اور ممبر سازی شروع کر دیجیے۔

لکھنؤ یونیورسٹی میں انگریزی تعلیم لازمی نہ رکھنے کی سفارش منظور کر لی گئی۔ اردو لی جا سکے گی

لکھنؤ۔ خیال ہے کہ اکیڈمک کونسل نے لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ آرٹس کی یہ سفارش منظور کر لی ہے کہ جنرل انگلش کی تعلیم بی۔اے۔ درجات میں لازمی نہ رکھی جائے اور اس کی جگہ دو زبانیں (۱) ہندی (۲) جنرل انگلش۔ اردو، بنگالی، سنسکرت، تامل، مرہٹی میں سے کوئی ایک زبان طلبہ لے سکیں گے۔ (سیاست جدید کانپور)

بچے کی مادری زبان کے بارے میں آخری فیصلہ کا حق والدین کو

نئی دہلی۔ ممبران پارلیمنٹ کی تعلیمی کمیٹی کے ایک رکن مسٹر وی سی شرما نے لسانی پالیسی کے بارے میں ایک نیا سوال اٹھایا ہے۔ مسٹر شرما نے مرکزی وزیر تعلیم سے پوچھا کہ کسی بچے کی مادری زبان کے بارے میں فیصلہ کرنے کا آخری حق کس کو ہوگا؟ اس کے والدین کو یا ریاستی حکومت کو۔ مسٹر شرما نے پنجاب کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ انھیں بتایا گیا ہے کہ وہاں کے اکالی اور کانگریسی سکھ اس بات پر مصر ہیں کہ پنجاب کے ہر بچے کی مادری زبان پنجابی ہے اور ریاست کے ہر اسکول میں گورمکھی رسم الخط میں پنجابی کو ہی ذریعہ تعلیم بنایا جائے۔

جناب شرما نے اپنے مراسلہ میں مطالبہ کیا ہے کہ اس طرح کے شکوک و شبہات کو ختم کرنے کے لیے لسانی پالیسی میں یہ بات واضح کر دی جائے کہ کسی بچے کی مادری زبان کے تعین کا حق اس کے والدین کو ہی ہوگا۔

(الجمعیۃ دہلی)

تبصرے

شہریار

اردو کی بہترین غزلیں مرتبہ پرکاش پنڈت

۲۰۸ صفحات کے اس انتخاب میں اردو کے تقریباً تمام اہم غزل گو شعرا کی غزلیں شامل ہیں۔ انتخاب میں تاریخی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے لیکن غزلوں کے انتخاب میں کسی خاص مقصد کو پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے یعنی اس کو پڑھ کر نہ تو صنف غزل کے ارتقا کا اندازہ ہوتا ہے اور نہ غزل کے مخصوص فن اور طریقۂ اظہار پر کسی قسم کی روشنی پڑتی ہے۔ اس انتخاب میں جو غزلیں شامل ہیں ان کو اردو کی بہترین غزلیں کہنا یا سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرتب نے اس انتخاب کو بڑی روا روی میں ترتیب دیا ہے۔ ابتدا میں "کچھ غزل کے بارے میں" کے عنوان سے دو صفحات میں غزل کے فن اور تاریخ کے بارے میں ہزار بار کی دہرائی ہوئی باتوں کو بے کیف اور بے جان نثر میں قلم بند کیا گیا ہے۔

جوگیا راجندر سنگھ بیدی

راجندر سنگھ بیدی اردو کے ان اہم افسانہ نگاروں میں ہیں جن کے فن کی عظمت اور بلندی کو کبھی شک وشبہ کی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔ یہ صحیح ہے کہ وہ اپنے بعض معاصرین کی طرح عوام میں مقبول اور مشہور کبھی نہیں ہو سکے اور آئندہ بھی اس کا امکان کم ہی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ان کے فن کا وہ رمزیاتی اور ایمائی انداز ہے جو اپنے حسن کو آہستہ آہستہ ظاہر کرتا ہے اور قاری کی بھرپور تخلیقی معاونت اور توجہ چاہتا ہے۔ اسی لیے بیدی کے افسانے ان حضرات کو پسند نہیں آتے جو افسانوں کا مطالعہ وقت گزاری اور صرف تفریح کے لیے کرتے ہیں۔ "جوگیا" میں ان کے پانچ افسانے شامل ہیں، یہ تمام افسانے اردو کے اہم رسائل میں شائع ہو کر اہل نظر سے داد وصول کر چکے ہیں۔ ان میں "جوگیا"، "زمین سے پرے"، اور "پولکلپکش" اول درجے کے افسانے ہیں اور بیدی کے فن کے ایک اہم موڑ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اس انتخاب کا مطالعہ ہر اس شخص کا فرض ہے جو اردو افسانے سے سنجیدہ دلچسپی رکھتا ہے۔

لندن کی ایک رات سید سجاد ظہیر

"لندن کی ایک رات" سجاد ظہیر صاحب کا مشہور مختصر ناول ہے اس ناول کو اردو ناول کی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کی اشاعت اردو کے افسانوی ادب میں بہت سے اہم اور نئے رجحانات کے آغاز اور فروغ کا باعث بنی۔ اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے مطالعہ کے وقت ناول کے معیاروں سے زیادہ ان تاریخی حالات کو ذہن میں رکھنا چاہیے جن میں اس کی تصنیف واشاعت ہوئی کہ اسی طرح اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

کامیابی کا راز
مصنف: سویٹ مارڈن
مترجم: ہنس راج رہبر

محبت یا ہوس
مصنف: ٹالسٹائی
مترجم: ہنس راج رہبر

کامیابی کا راز HOW TO GET WHAT YOU WANT کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں زندگی کو خوشگوار بنانے اور ذہنی الجھنوں سے بچنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ مغربی ملکوں کے جدید ذہن کو سمجھنے کے لیے یہ کتاب بڑی مفید ہے۔ ترجمہ رواں اور سلیس ہے۔

"محبت یا ہوس" ٹالسٹائی کے مشہور ناول کا ترجمہ ہے۔ ترجمہ میں ناول کی اصل روح بڑی حد تک آ گئی ہے اس کے لیے ہنس راج رہبر صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کیونکہ ٹالسٹائی جیسے عظیم ادیب کے ناول کا اچھا ترجمہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔

ان تمام کتابوں کا گیٹ اپ بہت خوبصورت ہے۔ ہر کتاب کی قیمت ایک روپیہ ہے جو کسی طرح زیادہ نہیں ہے۔ کتابت کی تصحیح توجہ سے کی جاتی تو اس سلسلے کی افادیت اور بڑھ جاتی۔ بہرحال پبلشر مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان کے ذریعے معیاری اور سستے داموں اردو دوست خرید سکتے ہیں۔ کتابیں ہند پاکٹ بکس پرائیویٹ لمیٹڈ جی۔ ٹی روڈ شاہدرہ دہلی ۳۲ سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر نصیر الدین قریشی نے ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسین نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا

اردو کے سوال پر اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے سکریٹری کا استعفا

لکھنؤ۔ یو۔پی اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے سکریٹری جناب امیر حیدر نے کمیونسٹ پارٹی (دائیں بازو) سے استعفیٰ دیتے ہوئے اپنے وضاحتی بیان میں کہا ہے کہ اردو کے ساتھ کانگریسی دور حکومت میں جو ظلم ہوا ہے آج بھی اسی طرح کی سازش کا سلسلہ جاری ہے۔ حکومت میں شامل ترقی پسند پارٹیوں کے نمائندے جن سنگھ کی اکثریت سے مرعوب ہو چکے ہیں اور انھوں نے رجعت پسند اکثریتی گروپ کے آگے ہتھیار ڈال دیے ہیں اگر ایسا ہی ہے تو پھر نئی حکومت کو رجعت پسند کہنا چاہیے۔ (سیاست جدید)

سنگھ بھوم محکمۂ تعلیم کی اردو دشمنی

چکردھرپور۔ جناب باسط عظیم آبادی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو چکردھرپور نے اطلاع دی ہے کہ گذشتہ دسمبر میں محکمۂ تعلیم نے مقامی میونسپل اسکولوں کے لیے آٹھ عارضی پوسٹوں کی منظوری دی تھی۔ انجمن کے ایک وفد کے ملاقات پر چیرمین نے ایک پوسٹ دندا شاہی اردو پرائمری اسکول کو دی اور اسے مستقل کرا لینے کا یقین دلایا۔ بقیہ سات پوسٹیں مقامی ہندی اسکولوں کو دی گئیں۔ جنوری میں جناب سمیع احمد کو میونسپلٹی نے اردو اسکول کے لیے معلم بحال کیا لیکن ماہ مارچ سے ان کی تنخواہ روک دی گئی جبکہ دیگر سات پوسٹوں پر بحال ہندی اسکول کے ماسٹروں کو تنخواہیں ہنوز مل رہی ہیں۔ اسکول مذکور کے سکریٹری نے تمام ذمہ داروں کو درخواستیں دیں، خود ملے لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ اسکول میں تالہ بندی کی کیفیت پیدا ہو چکی ہے۔ اگر محکمۂ تعلیم نے فوری قدم نہ اٹھایا تو خدشہ ہے کہ اسکول بند ہو جائے گا۔ اس اسکول میں اس وقت ۷۶ بچے اور بچیاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں لیکن صرف ایک معلم بحال کیا گیا وہ بھی صرف دو ماہ کے لیے

اردو داں ہیڈ ماسٹر کے تبادلہ پر
مدرسۂ عالیہ کلکتہ کے طلبہ کا احتجاج

کلکتہ۔ مدرسۂ عالیہ کے طلبا نے اردو داں ہیڈ ماسٹر کے تبادلہ کے خلاف کل زبردست احتجاج کرتے ہوئے اس بات کا مطالبہ کیا ہے کہ ہیڈ ماسٹر جو بھی رہے اس کا اردو داں ہونا ضروری ہے۔ کلاس شروع ہونے پر کچھ طلبہ باہر نکل آئے اور مدرسہ کے دروازے پر پوسٹر لگاتے ہوئے کہا کہ ہم کسی طرح بھی اردو داں ہیڈ ماسٹر کے تبادلہ کو برداشت نہیں کریں گے۔

یہ سنا گیا ہے کہ موجودہ ہیڈ ماسٹر جو اردو داں ہیں ان کا یہاں سے باہر تبادلہ کیا جا رہا ہے اور ان کی جگہ غیر اردو داں ہیڈ ماسٹر کو لایا جا رہا ہے اور لڑکے ان کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں۔

ان کا یہ کہنا ہے کہ کلکتہ مدرسہ میں ہمیشہ اردو داں ہیڈ ماسٹر رہے ہیں۔ اچانک یہاں سے انھیں ہٹا کر ان کی جگہ غیر اردو داں ہیڈ ماسٹر کو کیوں لایا جا رہا ہے۔

یہ بھی سنا گیا ہے کہ اگر اس سلسلہ میں فوراً ہی کارروائی نہ کی جائے گی تو لڑکے اس کے خلاف تحریک شروع کر دیں گے۔

یہ بھی اطلاع ہے کہ انھوں نے انجمن ترقی اردو میں بھی اس کی شکایت پہنچائی ہے اور انجمن کے ذمہ دار اس سلسلہ میں محکمۂ تعلیم سے رابطہ قائم کریں گے۔ (آبشار۔ کلکتہ)

ایک لاکھ اردو دوستوں کو ممبر بنائیے

پٹنہ۔ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے دفتر کی اطلاع ہے کہ بہار کے گوشے گوشے میں ممبر سازی کی مہم تیزی سے چل رہی ہے۔ مظفر پور، چمپارن، سارن، دربھنگہ، رانچی، بھاگلپور، مونگیر، پورنیہ، سنتھال پرگنہ، سہرسہ، گیا، آرہ، ہزاری باغ وغیرہ ضلعوں کے لیے اب تک پچاس ہزار رسیدیں دفتر سے جاری کی جا چکی ہیں۔ پندرہ ہزار سے زائد رسیدوں کے حساب دفتر کو مل چکے ہیں جنھیں کیس کیا جا رہا ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ بہار میں ایک لاکھ ممبر سازی کا نشانہ پورا ہو جائے گا۔ ممبر سازی کی آخری تاریخ ۱۵ رجون ہے۔ اس لیے اگر آپ نے اب تک رسیدیں نہیں منگائی ہیں تو آج ہی منگائیے اور ممبر سازی شروع کر دیجیے۔

لکھنؤ یونیورسٹی میں انگریزی تعلیم لازمی نہ رکھنے کی سفارش منظور کر لی گئی۔ اردو لی جا سکے گی

لکھنؤ۔ خیال ہے کہ ایگزیکیٹیو کونسل نے لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ آرٹس کی یہ سفارش منظور کر لی ہے کہ جنرل انگلش کی تعلیم بی۔اے درجات میں لازمی نہ رکھی جائے اور اس کی جگہ دو زبانیں (۱) ہندی (۲) جنرل انگلش، اردو، بنگالی، سنسکرت، تامل، مرہٹی میں سے کوئی ایک زبان طلبہ لے سکیں گے۔ (سیاست جدید کانپور)

بچے کی مادری زبان کے بارے میں آخری فیصلہ کا حق والدین کو

نئی دہلی۔ ممبران پارلیمنٹ کی تعلیمی کمیٹی کے ایک رکن مسٹر ڈی سی شرما نے لسانی پالیسی کے بارے میں ایک نیا سوال اٹھایا ہے۔ مسٹر شرما نے مرکزی وزیر تعلیم سے پوچھا کہ کسی بچے کی مادری زبان کے بارے میں فیصلہ کرنے کا آخری حق کس کو ہوگا؟ اس کے والدین کو یا ریاستی حکومت کو۔ مسٹر شرما نے پنجاب کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ انھیں بتایا گیا ہے کہ وہاں کے اکالی اور کانگریسی سکھ اس بات پر مصر ہیں کہ پنجاب کے ہر بچے کی مادری زبان پنجابی ہے اور ریاست کے ہر اسکول میں گورمکھی رسم الخط میں پنجابی کو ہی ذریعۂ تعلیم بنایا جائے۔

جناب شرما نے اپنے مراسلہ میں مطالبہ کیا ہے کہ اس طرح کے شکوک و شبہات کو ختم کرنے کے لیے لسانی پالیسی میں یہ بات واضح کر دی جائے کہ کسی بچے کی مادری زبان کے تعین کا حق اس کے والدین کو ہی ہوگا۔

(الجمعیۃ دہلی)

تبصرے

شہریار

اردو کی بہترین غزلیں — مرتبہ پرکاش پنڈت

۲۰۰ صفحات کے اس انتخاب میں اردو کے تقریباً تمام اہم غزل گو شعرا کی غزلیں شامل ہیں۔ انتخاب میں تاریخی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے لیکن غزلوں کے انتخاب میں کسی خاص مقصد کو پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے یعنی اس کو پڑھ کر نہ تو صنف غزل کے ارتقا کا اندازہ ہوتا ہے اور نہ غزل کے مخصوص فن اور طریقۂ اظہار پر کسی قسم کی روشنی پڑتی ہے۔ اس انتخاب میں جو غزلیں شامل ہیں ان کو اردو کی بہترین غزلیں کہنا یا سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرتب نے اس انتخاب کو بڑی روا روی میں ترتیب دیا ہے۔ ابتدا میں "کچھ غزل کے بارے میں" کے عنوان سے دو صفحات میں غزل کے فن اور تاریخ کے بارے میں ہزار بار کی دہرائی ہوئی باتوں کو بے کیف اور بے جان نثر میں قلم بند کیا گیا ہے۔

جوگیا — راجندر سنگھ بیدی

راجندر سنگھ بیدی اردو کے ان اہم افسانہ نگاروں میں ہیں جن کے فن کی عظمت اور بلندی کو کبھی شک و شبہ کی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔ یہ صحیح ہے کہ وہ اپنے بعض معاصرین کی طرح عوام میں مقبول اور مشہور کبھی نہیں ہو سکے اور آئندہ بھی اس کا امکان کم ہی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ان کے فن کا وہ رمزیاتی اور ایمائی انداز ہے جو اپنے حسن کو آہستہ آہستہ ظاہر کرتا ہے اور قاری کی بھرپور تخلیقی معاونت اور توجہ چاہتا ہے۔ اسی لیے بیدی کے افسانے ان حضرات کو پسند نہیں آتے جو افسانوں کا مطالعہ وقت گزاری اور صرف تفریح کے لیے کرتے ہیں۔ "جوگیا" میں ان کے پانچ افسانے شامل ہیں۔ یہ تمام افسانے اردو کے اہم رسائل میں شائع ہو کر اہل نظر سے داد وصول کر چکے ہیں۔ ان میں "جوگیا"، "ٹرمینس سے پرے" اور "پوکلیپٹس" اول درجے کے افسانے ہیں اور بیدی کے فن کے ایک اہم موڑ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اس انتخاب کا مطالعہ ہر اس شخص کا فرض ہے جو اردو افسانے سے سنجیدہ دلچسپی رکھتا ہے۔

لندن کی ایک رات — سید سجاد ظہیر

'لندن کی ایک رات' سجاد ظہیر صاحب کا مشہور مختصر ناول ہے اس ناول کو اردو ناول کی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کی اشاعت اردو کے افسانوی ادب میں بہت سے اہم اور نئے رجحانات کے آغاز اور فروغ کا باعث بنی۔ اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے مطالعہ کے وقت ناول کے معیاروں سے زیادہ ان تاریخی حالات کو ذہن میں رکھنا چاہیے جن میں اس کی تصنیف و اشاعت ہوئی کہ اسی طرح اس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

کامیابی کا راز

مصنف: سویٹ ماردن
مترجم: ہنس راج رہبر

محبت یا ہوس

مصنف: ٹالسٹائی
مترجم: ہنس راج رہبر

کامیابی کا راز HOW TO GET WHAT YOU WANT کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں زندگی کو خوشگوار بنانے اور نئی الجھنوں سے بچنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ مغربی ملکوں کے جدید ذہن کو سمجھنے کے لیے یہ کتاب بڑی مفید ہے۔ ترجمہ رواں اور سلیس ہے۔

"محبت یا ہوس" ٹالسٹائی کے مشہور ناول کا ترجمہ ہے۔ ترجمہ میں ناول کی اصل روح بڑی حد تک آ گئی ہے اس کے لیے ہنس راج رہبر صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کیونکہ ٹالسٹائی جیسے عظیم ادیب کے ناول کا اچھا ترجمہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔

ان تمام کتابوں کا گیٹ اپ بہت خوبصورت ہے۔ ہر کتاب کی قیمت ایک روپیہ ہے جو کسی طرح زیادہ نہیں ہے۔ کتابت کی تصحیح توجہ سے کی جاتی تو اس سلسلے کی افادیت اور بڑھ جاتی۔ بہرحال پبلشر مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان کے ذریعے معیاری ادب سستے داموں اردو دوست خرید سکتے ہیں۔ کتابیں ہند پاکٹ بکس پرائیویٹ لمیٹڈ جی۔ٹی روڈ شاہدرہ، دہلی ۳۲ سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا